

کیا مندرجہ ذیل روایت منکھڑت اور غیر معتبر ہے؟

* إن العالم والمتعلم إذا مرا على قرية فإن الله تعالى يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوماً *

کہ جب کوئی عالم یا طالب علم کسی بستی سے گزرتے ہیں تو اللہ پاک اس بستی کے قبرستان سے چالیس دن تک عذاب اٹھالیتا ہے۔

* الجواب: مذکورہ حدیث پر حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ، حافظ سیوطی رحمہ اللہ اور ان کے بعد ملا علی قاری، علامہ عجلونی

وغیرہ محدثین نے صرف "لا اصل له" (اس کی کوئی اصل نہیں) پر اکتفا کیا ہے۔

چنانچہ "تخریج احادیث شرح العقائد" میں ہے: إن العالم والمتعلم إذا مرا على قرية فإن الله تعالى يرفع العذاب عن مقبرة تلك

القرية أربعين يوماً. لا أصل له. (تخریج احادیث شرح العقائد "السیوطی، ص ۶۴)

"كشف الخفاء" میں ہے: إن العالم والمتعلم إذا مرا على قرية فإن الله تعالى يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوماً. قال

السيوطي: لا أصل له. (كشف الخفاء، ۱/۲۵۱)

اسی قول کو ملا علی قاری نے "فرائد القلائد علی احادیث شرح العقائد" ص ۱۰۵، و "الاسرار المرفوعة" ص ۱۲۳، اور "المصنوع"

ص ۶۵، میں ذکر فرمایا۔ اور علامہ خادمی نے "برہقہ محمودیہ فی شرح طریقہ محمدیہ"، ۱/۲۱۸ میں نقل فرمایا۔

*** جملہ "لا اصل له" سے یہاں کیا مراد ہے؟ ***

اس جملے کی وضاحت استاد محترم مفتی حسان صاحب زید شرفہ نے اپنی کتاب لطیف "التحقیق المعتمد فی روایۃ الکذاب ودرجات

السند" میں تفصیل کے ساتھ فرمائی ہے۔

* جس کا حاصل یہ ہے کہ ان الفاظ میں تین احتمالات ہیں اور ہر احتمال اپنے اندر کثیر امثلہ لیے ہوئے ہے۔ *

اختصار کے پیش نظر "التحقیق المعتمد" سے چند دلائل ذکر کرتا ہوں۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں:

محدثین "لا اصل له" کا جملہ استعمال کرتے ہیں اس کا ایک محمل یہ ہے کہ اس کی سند نہیں ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ابن

تیمیم متہور کے حوالے سے اس کا یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ (تدریب الراوی، ۳/۵۱۸ النوع الثانی والعشرون).

اسی طرح شیخ محمد عوامہ نے "لا اصل له" پر تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

* فالفرق الجملي حينئذ بينه وبين الموضوع: أن الموضوع له سند فيه كذاب وضاع، أما هذا التعبير "لا أصل له" فقد يكون كذلك،

وقد يكون لاسنده، وقد يكون لاسند ثابت له، القرينة تحدد المراد، الأمثلة كثيرة لكل احتمال من هذه الاحتمالات الثلاثة *.

جملہ "لا اصل له" اور موضوع کے درمیان خلاصہ فرق یہ ہے کہ موضوع وہ حدیث کہ جس کی سند موجود ہو اور اس میں کذاب

وضاع راوی موجود ہو۔ بہر حال یہ تعبیر "لا اصل له" تو کبھی ایسا ہی ہوتا ہے یعنی * سند موجود اور راوی کذاب وضاع اس میں

ہے، * اور کبھی اس کا معنی ہوتا ہے کہ * اصلاً اس کی سند نہیں * اور کبھی اس کا معنی ہوتا ہے * اس کی کوئی ایسی سند نہیں جو ثابت

ہو، * اور قرینے کے ذریعے مراد واضح ہو جائے گی، ان تینوں احتمالات میں ہر احتمال پر کثیر امثلہ موجود ہیں۔

(تدریب الراوی، ۳/۵۱۸، النوع الثانی والعشرون)۔ ("التحقیق المعتمد" ص ۱۸۰)

اس مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ حدیث پر قرینے کے ذریعے یہی محمل نکلتا ہے کہ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ قرینہ اس طرح کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کو "شرح عقائد" کی تخریج کے دوران جب کتب مصادر میں نہ پایا تو فقط * لا اصل (سند) لہ * پر اکتفا کیا، یہ واضح قرینہ ہے کہ انہیں اس کی سند نہیں ملی۔ (تخریج احادیث شرح العقائد، ص ۶۴)۔ اسی طرح ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ سے جب مذکورہ حدیث کے متعلق پوچھا گیا کہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے "شرح عقائد" میں اسے ذکر فرمایا ہے آیا اس حدیث کی کوئی اصل ہے؟

تو آپ نے کافی تتبع کے بعد "شرح عقائد" کے علاوہ نہ پائی تو کمال الدین بن ابی شریف صاحب "الإسعاد بشرح الإرشاد" کے قول "لا اصل لہ" کو اپنے موافق قرار دیا۔

چنانچہ "الفتاویٰ الفقہیہ" میں ہے: (و سئل) ذکر التفتازانی فی شرح العقائد عن النبی - صلی اللہ علیہ وسلم - أنه قال «إن العالم والمعلم إذا مرا على قرية فإن الله يدفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوماً» هل لهذا الحديث أصل وهل رواه أحد من أصحاب السنن أو لا؟ (فأجاب) بقوله لم أر لهذا الحديث وجوداً في كتب الحديث الجامعة المبسطة ولا في غير هاتم رأيت الكمال بن أبي شريف صاحب الإسعاد قال إن الحديث لا أصل له وهو موافق لما ذكرته. (الفتاویٰ الفقہیہ الکبریٰ، ۲/۳۲)۔

* نتیجہ البحث *

* ائمہ محدثین کا یہ حکم احتیاط ہے اور "شرح عقائد" ان کتابوں میں سے نہیں ہے کہ جہاں بلا سند روایت معتبر ہوتی ہے۔ لہذا اس روایت کو از روئے احتیاط بیان نہ کیا جائے۔ *

یہاں ایک عرض کرتا چلوں کہ بعض حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کسی حدیث پر "لا اصل لہ" کے الفاظ دیکھ لیں تو مذکورہ تین احتمالات کے قطع نظر فوراً حدیث کو موضوع کہہ دیتے ہیں اور دلیل اصول کی کتب میں مذکور عبارت: "إذ قال الحافظ المطلق الناقد في حديث: لا أعرفه، اعتمد ذلك في نفيه، كما ذكر شيخ الإسلام" پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اولاً اس عبارت میں * دو باتوں * کی تشریح کی حاجت ہے۔

* پہلی: * کہ حافظ مطلع ناقد سے کون مراد ہے؟

* دوسری: * کیا ان کا نہ جاننا ہر صورت میں حدیث کے نہ ہونے کی نفی کرے گا؟

مفتی حسان صاحب زید شرف نے "التحقيق المعتبر" میں ان دونوں باتوں کی تفصیلی وضاحت فرمائی ہے۔ * اس میں حافظ علائی، زرکشی، سیوطی، ابن حجر ہیتمی، سیدی اعلیٰ حضرت، امام قرانی، حافظ سخاوی وغیرہ ائمہ کی تشریح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہاں حافظ ناقد مطلع سے مراد خاص متقدمین ائمہ میں سے کسی امام کا ہونا مراد ہے۔ *

دوسری بات * ان کا حکم بھی فقط ظن کی حد تک ہے، * کیونکہ یہاں امکان رہے گا کہ متاخرین میں سے کسی حافظ ناقد کو وہ حدیث مل جائے۔

لہذا "لا أعرفہ"، "لا اصل لہ" اور "لم نجد" جیسے الفاظ جب متقدمین ائمہ میں سے کسی حافظ ناقد نے کہے، تو ظن کی حد تک اس کو موضوع بیان کر سکتے ہیں، اور * حافظ علانی نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ یہ حکم لگانا امام دارقطنی اور امام بیہقی جیسے محدثین کے لیے تھان کے بعد کے افراد کے لیے نہیں ہے۔ *

لہذا متاخرین میں سے کسی حافظ ناقد نے "لا اصل لہ" جیسے الفاظ کہے (جیسا کہ مذکورہ حدیث میں حافظ سیوطی نے) تو اس بنیاد پر حدیث کو موضوع نہیں کہہ سکتے۔

چنانچہ اس بحث کی اہمیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ "تحقیق المعتمد" کا پورا کلام نقل کیا جائے لیکن اختصار کے پیش نظر چند دلائل ہدیہ قارئین کرتا ہوں۔

حافظ علانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الحکم علی الحدیث بكونه موضوعاً من المتأخرين عسر جداً، بخلاف الأئمة المتقدمين الذين منخضم الله التبخر في علم الحديث، والتوسع في حفظه كشعبة ويحيى بن سعيد القطان، وعبد الرحمن بن مهدي، ونحوهم. ثم أصحابهم مثل أحمد بن حنبل وعلي بن المديني، ويحيى بن معين، وإسحاق بن راهوية، وطائفة منخضم. ثم أصحابهم مثل البخاري ومسلم وأبي داود والترمذي والنسائي. وكذلك إلى زمن الدارقطني والبيهقي من لم ينجى بعد هم مساو لهم بل ولا مقارب. فمتى وجد في كلام أحد من المتقدمين الحكم على حديث بشيء كان معتمداً لما أعطاهم الله من الحفظ العظيم، والإطلاع الغزير، وإن اختلف النقل عنهم عدل إلى الترجيح.

یعنی *متاخرین کی طرف سے حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگانا انتہائی مشکل ہے، بخلاف ائمہ متقدمین کے * جن کو اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں تبحر اور اس کے حفظ پر توسع عطا کیا تھا، جیسے امام شعبہ، یحییٰ بن سعید القطان، عبد الرحمن بن مہدی اور ان کی مثل ائمہ، پھر ان کے اصحاب جیسے امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، اسحاق بن راہویہ، اور ان کے طبقہ کے دیگر محدثین، پھر ان کے تلامذہ جیسے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، اور اسی طرح امام دارقطنی اور امام بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ تک، وہ ائمہ حدیث جن کے بعد نہ ان کے برابر کا کوئی امام آئے ان کے قریب کا، *توجب ان ائمہ متقدمین میں کسی ایک کے کلام میں حدیث پر کوئی حکم ہو گا تو اس پر اعتماد کیا جائے گا؛ *کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عظیم حافظہ اور وسیع اطلاع عطا فرمائی تھی اور اگر ان سے مختلف احکام منقول ہوں تو ترجیح کی طرف پھر جائے گا۔ (النقد الصریح لما عارض علیہ من أحادیث المصنوع، ص ۲۶-۲۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ * "الکلت" * میں حافظ علانی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بحث لکھتے ہیں کہ کسی حدیث کا تفتیش کے بعد انکار کرنا یہ اکابر محدثین کے لیے ہے جیسے امام احمد، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، امام بخاری، ابوحاتم رازی، امام نسائی وغیرہ۔

* پھر حدیث کی نفی اکابر محدثین کے ساتھ خاص کر کے اس کی وجہ لکھتے ہیں:

لأن المأخذ الذي تحكم به غالباً على الحديث بأنه موضوع إنما هي الملكة النفسانية الناشئة عن جمع الطرق والاطلاع على غالب المروي في البلد ان التنبيه بحيث يعرف بذلك ما هو من حديث الرواة مما ليس من حديثهم وأما من لم يصل إلى هذه المرتبة فكيف يقضي بعدم وجدانه للحديث بأنه موضوع، هذا ما ياباه تصرّفهم.

کہ وہ ماخذ جس کے ساتھ عموماً حدیث پر موضوع ہونے کا حکم دیا جاتا ہے یہ وہ ملکہ نفسانیہ ہے جو جمع طرق اور مختلف شہروں کی غالب مرویات پر اطلاع کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، اس ملکہ کے ساتھ وہ جان لیتے ہیں کہ یہ حدیث ان رواۃ کی حدیث میں سے نہیں، بہر حال جو اس مرتبہ تک نہ پہنچیں ہوں تو وہ کیسے کسی حدیث کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں، یہ وہ بات ہے جس سے ان کا تصرف انکار کرتا ہے۔ (الملت علی مقدّمہ ابن الصلاح، ۲/۳۰۷)

* موضوع ظنی کے اصول میں یہی بات امام اہل سنت رحمہ اللہ نے ارشاد فرمائی:

تمام کتب و تصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتہ نہ چلے یہ صرف اجلہ حفاظ ائمہ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔ (فتاویٰ رضویہ، ۵/۳۶۱)

حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ، حافظ علائی رحمہ اللہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

ومحلہ حیث لم تتعجبہم حافظ ناقد و تبیین أن الحدیث الذی حکمو ابو ضعیفہ وارد من طریق آخر۔

یعنی یہ اس صورت میں ہے جب کہ ان متقدمین کا کسی حافظ ناقد نے تعقب نہ کیا ہو اور یہ ظاہر نہ ہوا ہو کہ جس حدیث پر انہوں نے موضوعیت کا حکم لگایا ہے وہ دوسرے طریق سے بھی وارد ہے۔ (فتح اللہ من شرح المشکاۃ، ۱/۱۳۷)

* لہذا اب یہ واضح ہو گیا کہ یہاں حافظ ناقد مطلع سے مراد متقدمین ائمہ میں سے امام کا ہونا مراد ہے۔ دوسری بات ان کا حکم بھی فقط ظن کی حد تک ہے، یہاں امکان رہے گا کہ متاخرین میں سے کسی کو وہ حدیث مل جائے۔ (*"التحقیق المعتمد" ۲۱۷-۲۱۳)۔

لہذا اب اگر کوئی حدیث کو سرے سے ہی موضوع کہہ دے تو یہ ایک جرأت ہے اور ساتھ ہی مذکورہ آئمہ کے طریقہ کی مخالفت بھی۔ ایسے ہی موقع پر سیدی اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: کہ ہم نے تو اکابر ائمہ کو یوں سنا کہ جس حدیث پر اطلاع نہ پائی * لم اجدیہا لم اریم اقف علیہ * پر اقتصار فرمایا، یہ * لیس * اور * لم یکن * کی جراتیں، حق تو یہ ہے کہ بڑے شخص کا کام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

از: عاصم عطاری